رہے۔ کیونکہ ان کے لباس، گفتگو اور نشست و برخواست سے گورنری نہیں ٹپکتی تھی۔ نہ کسی کو ہم نے ان کا ہمارے ہاں کے گورنروں جیسا ناز نخرہ برداشت کرتے دیکھا، نہ ان کے آس پاس کوئی مسلح جتھہ نظر آیا، نہ ان کے روبرو قطار اندر قطار کھڑے افسران کا تماشہ دکھائی دیا۔ یہ سادگی اور وقار اللہ اکبر۔ اسلام کی برکت سے اور اسلامی نظام کی برکت ہی سے نصیب ہوسکتا ہے۔ ہم نے ملاحسن سے کھل کر گفتگو کی کہ وہ اردو بہت خوبی سے بول لیتے ہیں۔ طالبان میں انہیں ایک خاص عزت حاصل ہے کہ روسی استعمار اور روسی ایجنٹوں کے خلاف جہاد میں ان کا کردار کاغذی نہیں عملی رہا ہے اور سبھی شرکائے جہاد ان کی خدمات کے معترف ہیں۔ ان کی ضائع شدہ ٹانگ خود اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ ایک عالم ہیں اور عالم کو قدیم دور سے اس خطہ میں ملا کہا جاتا ہے، اب بھی افغانستان میں یہی قدیم اصطلاح رائج ہے۔

ملاحسن کی گورنری ان کی عباداتِ روز وشب میں مخل نہیں ہوتی وہ بعد نمازِ مغرب مسجد میں دیر تک ٹھہرتے اور نمازِ اوابین ادا کرتے۔ ان کی علمیت ان کی گورنری میں حارج نہیں۔ وہ سارا دن اپنے دفتر میں عوامی مسائل سننے اور سرکاری فرائض کی بجا آوری میں گزارتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو عصری تعلیم کی کمی تو محسوس نہیں ہوتی؟ انہوں نے کہا عصری تعلیم یافتہ ملازمین کی کھیپ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے تو شاید مجھے اس کی کمی محسوس ہو، لیکن اسلامی انقلاب کی برکت سے چونکہ ہر شخص اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کر رہا ہے اور مجھے تو صرف ان کی نگرانی ہی کرنا ہے اس لئے میں اس میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا۔ بات سمجھ میں آ گئی کہ اگر پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں انگوٹھا چھاپ وزیر اور میٹرک فیل گورنر کامیابی سے وزارت و گورنری چلا سکتا ہے تو ایک عالم دین کیوں نہیں؟

اگلے روز ہم ملاحسن کے کندھار کے نجی دورے پر نکلے اور خرقہ شریف، مزار احمد شاہ ابدالی، چوک شہیداں، بازار بزرگ اور کئی ایسے مقامات پر گئے جہاں عوام کا رش رہتا ہے، وہاں ہم نے لوگوں سے مل کر مسائل معلوم کئے، حالات جاننے کی کوشش کی، عوام کے تاثرات جاننا چاہے اور تادیر کوچہ پیمائی کرتے رہے، مگر ہم نے نہ تو کسی دکاندار سے، نہ ٹیکسی ڈرائیور سے، نہ خوانچہ فروش سے، نہ کباڑیے سے اور نہ ہی کسی مستری و مزدور سے کوئی ایسی بات سنی جس سے عوام کی غربت، بے یقینی، بداعتمادی یا پریشانی کا کوئی شبہ ہوتا ہو۔ ہاں البتہ کچھ منچلے نوجوان جن کے ذہن کیمونسٹوں نے

خراب کئے ہیں، ذہنی عیاشی کے سامان (T V) پر پابندی سے کچھ کبیدۂ خاطر ہیں اور ایسا تو ہر ایسے ملک میں ہوگا جہاں آپ اسلام کا نظامِ تطہیر و تزکیہ نافذ کریں گے۔ مجموعی طور پر لوگ طالبان کے امن و امان سے نہایت خوش ہیں، اور کیوں نہ ہوں جبکہ طالبان نے ایک ایسے وقت میں کندھار سے تحریک اسلامی شروع کی جب لوگوں کی عزتیں سرِ عام نیلام ہوتی تھیں، قحبہ گری کا دور دورہ تھا، بھتہ خوری ایک معمول بن چکا تھا اور کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ افغانی کہتے ہیں طالبان نے ہمیں عزت و آبرو دی ہے۔ مال و جان کا تحفظ دیا ہے، عدل و انصاف کی حکمرانی قائم کی ہے۔ خانہ جنگی کا خاتمہ کر کے امن و امان بحال کیا ہے۔

ہم نے کندھار کے بازار سامانِ خورد و نوش و ضروریاتِ روزمرہ سے پر پائے۔ خریداروں کے ہجوم دیکھے، کاروبار میں گرمی محسوس کی، اشیاء کے نرخ معلوم کئے چند چیزیں بطورِ ٹیسٹ خریدیں۔ اندازہ ہوا کہ تیس سالہ طویل جنگی نقصانات کے باوجود طالبان ملکی معاملات کنٹرول کرنے میں خوب ماہر ثابت ہوئے ہیں۔

کوئی چیز مہنگی نہیں نہ عوام کی دسترس سے باہر ہے۔ وہ تربوز اور گرما جو کراچی میں دس سے بارہ روپے کلو بکتا ہے کندھار میں چار روپے کلو سے زائد نہیں۔ روٹی کی قیمت پاکستانی روٹی کے مقابلہ میں کم اور غذائیت زیادہ ہے۔ بکری کا گوشت ساٹھ روپے کلو ہے جو یہاں ۱۳۰ روپے ملتا ہے۔ دودھ دہی لسی اور دیگر سامانِ خورد و نوش پاکستان کے مقابلہ میں ارزاں ہے۔ ایک عام مزدور کی یومیہ اجرت ۱۵۰ سے دو سو پاکستانی روپے کے برابر ہے اور ہنرمند راج، پلمبر اور مستری تین سے چار سو روپے یومیہ لیتا ہے۔

ہم نے افغانستان کے جن اعلیٰ عہدیداروں اور ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں ان میں، تعلیم، زراعت، صنعت، پیداوار اور عدل کے وزراء، سیکریٹریز (رؤساء) شامل ہیں۔ کندھار کے رئیس تعلیم سے ہمارے ساتھی نے اسکول کھولنے اور پرائیویٹ اسکول چلانے کے سلسلہ میں بات کی تو انہوں نے کہا کہ تعلیم کی ہمیں بے حد ضرورت ہے اور ہم جنگی تباہی کے بعد اس طرف خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ آپ اگر ہماری معاونت فرمائیں تو ہمیں مسرت ہوگی آپ آئیں ہم جگہ فراہم کریں گے، آپ اسکول کھولیں مگر نصاب ہمارا اپنا ہوگا۔ ہم نے اپنا نصاب ایسا رکھا ہے کہ جس میں دینی تعلیم غالب رہتی ہے اور بچے لکھ پڑھ کر ماں باپ کو خبطی نہیں گردانتے۔ افغانی اسکولوں میں فقہ

کی تعلیم ابتدائی سطح ہی سے دی جاتی ہے۔ قرآن و سنت کے بعد سب سے زیادہ اہم فقہی تربیت ہے۔ افغان بچے لکھ پڑھ کر ڈرپوک اور خوفزدہ نہیں ہوتے بلکہ نڈر اور مجاہد بنتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ متعدد بین الاقوامی تنظیموں نے افغانیوں کو مفت تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کر کے دینے کی پیش کش کی ہے۔ مگر طالبان کی شرط ہے کہ نصاب و نظامِ تعلیم اسلامی ہوگا۔ لڑکیوں کی تعلیم کے حوالہ سے انہوں نے بتایا کہ ہم اپنے مردوں کو برسر روزگار کر لیں تو پھر ضرورت پڑنے پر لڑکیوں کو بھی تکلیف دیں گے ورنہ ہم صنف نازک کو اس کے قرآنی منصب پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں، یورپ کی طرح سڑکوں پر اور مجمعوں میں لا کر ذلیل نہیں کرنا چاہتے۔ قرآن کہتا ہے ''و قرن فی بیوتکن'' کہ خواتین ''اپنے گھروں پر رہیں'' لہٰذا ہم اللہ کے قانون کو غالب کرتے ہوئے لڑکیوں کو گھر کی چار دیواری کے اندر تمام ضروری تعلیمات و معلومات فراہم کرنے کے حامی ہیں۔ ہماری بچیاں گھریلو دستکاری کی ماہر ہیں۔ اور ملکی ترقی میں ہاتھ بٹا رہی ہیں۔ طب کے شعبہ میں جہاں خواتین ڈاکٹرز اور نرسوں کی ضرورت ہے وہاں ہم نے ایک مخصوص تعداد میں طالبات کی تربیت کا انتظام کر رکھا ہے۔ مگر ہم اپنی بچیوں کو غیر محرم مردوں کے دل لبھانے کے لئے کوئی وظیفہ سونپنے کے حامی نہیں کہ یہ خلافِ اسلام ہے۔ یورپ ہم سے اسی لئے کبیدۂ خاطر ہے کہ ہم یورپ کی طرح اپنی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی آبرو ریزی کے مواقع پیدا نہیں ہونے دیتے۔ انہیں مخلوط نظام کا شکار نہیں ہونے دے رہے، ان کی عزت و آبرو کے محافظ ہیں، یہی اسلام ہے اور یہی یورپ کے نزدیک جبر و ظلم ہے۔ اگر ہم آج اپنی بچیوں کو یورپ کی طرح ننگا کر کے سڑکوں پر لے آئیں تو ہم بھی ترقی یافتہ کہلائیں گے مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ ترقی نہیں تنزلی ہے۔

شام کو ہماری ملاقات وزیر پیداوار سے تھی۔ وہ ازراہِ کمال شفقت و محبت ہماری قیام گاہ پر ہی تشریف لے آئے۔ ہمیں ان کے وزیر ہونے کا علم نہ ہوتا اور ہم انہیں ایک عام ملاقاتی سمجھتے اگر ان کے ساتھ آنے والا ترجمان ہمیں یہ نہ بتاتا کہ آپ وزیر پیداوار و خوراک ہیں۔ بلا تکلف فرشی نشست اور عام سے لباس میں ملبوس سادہ سی دستار کے ساتھ باوقار شخصیت کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ کوئٹہ کے مدرسہ کے کوئی عالم ہیں اور ہمارا اندازہ غلط بھی نہیں ہوا کہ ہم نے جب ان سے ان کی تعلیم کے حوالہ سے سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئٹہ کی ایک دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ ہم نے ان سے افغانستان کی پیداواری صلاحیت، نظامِ تقسیم اجناس اور اسی سے متعلق

دیگر سوالات کئے تو انہوں نے کہا کہ ''اسلام کے نظامِ پیداوار وتقسیم کی بدولت ہمیں اپنے ملک میں کوئی غیر ملکی پیداواری پالیسی درآمد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ہم خوراک کی تقسیم کا عادلانہ نظام اللہ کے فضل سے قائم کئے ہوئے ہیں، اور ملک میں بدترین خشک سالی کے باوجود غذائی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ انہوں نے حکومتِ پاکستان اور پاکستانی عوام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مشکل حالات میں پاکستان نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔

انہوں نے بتایا کہ ان کی وزارت پیداواری معاملات میں فقہ حنفی کے مطابق عشر اور زکوٰۃ کے نظام کو اپنائے ہوئے ہے اور جہاں کہیں زمینیں کاشت ہو رہی ہیں وہاں طالبان اسلامی قانون کے مطابق عشر وصول کرتے ہیں۔

پیداواری اور دیگر ٹیکسوں کے حوالہ سے انہوں نے بتایا کہ جنگی حالات اور خشک سالی کے باعث ہم نے ٹیکسز ختم کر دیئے ہیں اور عشر بھی انہی علاقوں سے وصول کیا جاتا ہے جہاں کی زمینیں سیراب اور فصلیں شاداب ہیں۔

اگلے روز ہم وزیر صنعت زون ۵ سے ملے اور افغانستان میں انڈسٹری کے حوالہ سے بات چیت کی۔ ہم نے ان سے دریافت کیا کہ اس وقت افغانستان میں انڈسٹری کی صورتحال کیا ہے، انہوں نے بتایا کہ انڈسٹری کا بیشتر حصہ بند پڑا ہے اور ہم اسے دوبارہ چلانے کے لئے صنعتکاروں سے مذاکرات کر رہے ہیں۔ انڈسٹری کسی ملک کی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، افغانستان میں جنگی صورتحال کی بناء پر پاکستان کے صنعتکار دلچسپی نہیں لے رہے تھے مگر اب ہم نے بہت سے صنعتکاروں کو یہاں کا وزٹ کرا کے امن و امان کی صورتحال کا مشاہدہ کرایا ہے اور اب کچھ صنعتکار اس میں دلچسپی لینے لگے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صنعتوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے ہم نے خاص پالیسی وضع کی ہے۔ جو لوگ کارخانہ لگائیں یا پہلے سے قائم کسی کارخانہ کو چالو کریں انہیں پانچ سال تک ٹیکس وغیرہ معاف ہوں گے اور پانچ سال بعد شراکت کی بنیاد پر انہیں کام کرنے کی آزادی ہو گی۔

فقہ حنفی کے حوالے سے ہم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ خود حنفی عالم ہیں اور اس ملک کا بچہ بچہ سنی حنفی ہے۔ اس لئے عبادات و معاملات میں فقہ حنفی ہی اساس ہے۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں عدلیہ بھی فقہ حنفی کے تابع ہے اور عدل و انصاف ہر شخص کو اس کی دہلیز پر ملتا

ہے۔ یہاں حاکم ومحکوم عدلیہ کے سامنے برابر ہیں، ابھی کل ہی قصاص کے ایک کیس میں ایک ایسے شخص کو سزا دی جائے گی جو طالبان کا بااثر افسر تھا اور اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ یہ سزا ایک اسٹیڈیم میں عوام کے روبرو دی جائے گی۔

دوسرے رز ہم چار بجے سہ پہر اسٹیڈیم پہنچے تو وہ عوام سے کھچا کھچ بھر چکا تھا، کچھ لوگ پیدل دوڑتے ہوئے اسٹیڈیم کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں نوجوان اور عمر رسیدہ افراد شامل تھے۔ کارروائی کا آغاز کچھ اس طرح ہوا کہ وقت مقررہ پر ملزم کو لایا گیا اور اسے وسط میں اسٹیڈیم کے اسٹیج کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ اس وقت مقتول کے ورثاء بھی وہاں موجود تھے۔ ایک عالم دین نے جن کا تعلق عدلیہ سے تھا تقریر میں قصاص کے حوالہ سے قرآن وسنت کا حکم بیان کیا پھر معاف کر دینے کی فضیلت بیان کی۔ ان کے بعد عدلیہ کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے اس مقدمہ کی پوری کارروائی بیان کی کہ کس طرح یہ کیس عدلیہ میں پیش ہوا اور کس کس عدالت سے ہوتا ہوا سپریم کورٹ تک پہنچا۔ آخری اپیل ملزم نے امیر المؤمنین ملا عمر سے کی مگر انہوں نے عدلیہ کے فیصلہ کو برقرار رکھا۔ ان کی اس تفصیلی تقریر کے بعد ایک بار پھر مقتول کے ورثاء سے کہا گیا کہ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو مقتول کو معاف کر سکتے ہیں، مگر مقتول کے ورثاء نے انکار کر دیا۔ چنانچہ پولیس کے افسران کو حکم دیا گیا کہ وہ سزا نافذ کرنے کے انتظامات مکمل کریں، قاتل کو وضو کرایا گیا، اور اس نے سب کے سامنے نمازِ عصر ادا کی پھر دعاء مانگی اور پھر اسے عوام کے سامنے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر زمین پر لٹا دیا گیا۔ جلاد کو حکم ہوا وہ تلوار لے کر آیا اور اس نے تلوار کا وار کرنے کے لئے جونہی تلوار فضاء میں بلند کی، کہ مقتول کے ایک وارث نے اس کا ہاتھ تھام کر سزا کے نفاذ کو روک دیا اور اس نے اعلان کیا کہ وہ قاتل کو معاف کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ اسلام زندہ باد، عدل زندہ باد کے نعرے بلند ہوئے، انصاف کی فراہمی اور معافی پر عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اگلے روز ہمارا پروگرام سپریم کورٹ کی کندھار رجسٹری وزٹ کرنے اور عدلیہ کی کارروائی دیکھنے کا تھا۔ چنانچہ صبح ۹ بجے ہم سپریم کورٹ پہنچ گئے جہاں سپریم کورٹ کے ڈپٹی چیف جسٹس قاضی شہاب الدین دلاور نے ہمارا استقبال کیا وہ اپنی عدالت میں موجود تھے اور ان کے ساتھ چار مزید جج بھی تشریف رکھتے تھے ان کی عدالت کا کمرہ 10x10 فٹ کا ہوگا۔ ایک سادہ سی پرانی میز، ایک کرسی، میز کے سامنے دو پرانے سے صوفے جن پر دیگر چار جج بیٹھے تھے، ایک کرسی ہمارے لئے لگا

دی گئی۔ قاضی شہاب الدین نے دیگر ججوں کا تعارف کرایا۔ تمام جج فقہ حنفی کے ماہر عالم تھے اور عام سادہ لباس میں ملبوس تھے۔ قاضی شہاب الدین کا لباس و دستار ہمارے پنجاب کے علماء کے لباس سے ملتا جلتا تھا اور وہ خاصے پروقار اور رعب دار نظر آ رہے تھے۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ افغانستان میں تمام لوگ کیا افسر کیا ملازم، تاجر، صنعت کار، مزدور، طالب علم سب باریش ہوتے ہیں، ڈاڑھی منڈانا ان کے کلچر کے خلاف ہے اور اب تو اسلامی انقلاب کے بعد ڈاڑھی مذہبی شعار کے طور پر رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ تمام ججوں کی داڑھیاں شرعی تھیں۔

جسٹس شہاب الدین نے مختصر تعارف عربی زبان میں کرایا وہ فصیح عربی پر عبور رکھتے تھے۔ کارروائی پشتو میں ہورہی تھی اور وہ عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ ایک خاتون کا کیس پیش ہوا جس کا نکاح اس کے والد نے کم عمری میں (بلوغت سے قبل) کر دیا تھا اور وہ اپنے شوہر کے پاس جانے کو تیار نہ تھی۔ ماتحت عدالتوں نے فقہ حنفی کے مطابق ولی کے منعقد کردہ اس نکاح کو جائز قرار دیا تھا۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ بھی اسے جائز قرار دے چکی تھیں لیکن خاتون نے امیر المؤمنین سے اپیل کی تھی، امیر المؤمنین نے یہ اپیل سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ کو بھجوائی تھی اور آج یہ کارروائی اسی اپیلٹ بنچ کی ہورہی تھی۔ بنچ نے لڑکی کا موقف دوبارہ سنا اور پھر اسے شرعی حکم بتایا کہ خیارِ بلوغ استعمال نہ کرنے کی بناء پر اب وہ لڑکی شوہر کے پاس جانے سے انکاری نہیں ہوسکتی اور نکاح درست ہے اگر بالغ ہوتے ہی وہ انکار کر دیتی اور شوہر کے پاس نہ جاتی تو نکاح ختم ہو جاتا مگر اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ اپیل پر فیصلہ سنانے کے بعد لڑکی اور اس کی ماں کو کمرہ عدالت سے باہر جانے کو کہا گیا تو لڑکی نے برقعہ سے ہاتھ باہر نکال کر مٹی کے تیل کی شیشی اور ماچس دکھاتے ہوئے کہا بخدا میں اپنے آپ کو اس سے آگ لگا لوں گی مگر اس ظالم کے پاس نہیں جاؤں گی۔ اس پر قاضی نے اسے پندرہ روز بعد آنے کو کہا۔ ہم نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہ پندرہ روز بعد کیا ہوگا؟ تو انہوں نے بتایا کہ کارروائی کی رپورٹ امیر المؤمنین کو بھیجی جائے گی۔ اگر وہ اپنا حق استعمال کرتے ہوئے ولی کے اس نکاح کو فسخ کر دیں تو انہیں اختیار ہے، اگر نہ کریں تو فیصلہ وہی ہے جو سنایا جاچکا۔

ایک اور کیس ایک ماتحت عدالت کے پیش کار کا تھا جس پر رشوت لینے کا الزام تھا، جج صاحب نے بتایا کہ اس پر ۸۰۰۰ روپے پاکستانی رشوت لینے کا الزام ہے، اپیل میں اسے اپنا موقف

پھر پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ بتایا گیا کہ یہ شخص بیس روز سے پولیس کی تحویل میں ہے، ملزم نے صحتِ جرم سے انکار کیا اور بتایا کہ الزام بدنیتی کی بناء پر لگایا گیا ہے۔

اپیلٹ بنچ نے ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کی نقول کا مطالعہ کرنے کے بعد ملزم کی ضمانت پر رہائی کا حکم دیا اور کیس ازسرنو تحقیق کے لئے ماتحت عدالت کو بھجوا دیا۔ اپیلٹ کورٹ کے مطابق ملزم کے خلاف شہادتیں پیش نہیں کی جاسکیں اور ملزم حلفاً صحت جرم سے انکاری ہے، لہٰذا ازسرنو تحقیقات کر کے کیس کا فیصلہ کیا جائے۔

اسی طرح چند دیگر فیصلوں کی کارروائیوں پر عدالت نے غور کیا اور مناسب احکامات جاری کئے۔

ہمارے سوال پر بتایا گیا کہ تمام معاملات کے فیصلے فقہ حنفی کے مطابق ہوتے ہیں، فریقین وکیلوں کے ذریعہ یا براہِ راست اپنے مقدمات کی پیروی کر سکتے ہیں، وکیل حضرات فقہ حنفی کے ماہر ہوتے ہیں اور وہ ہر مقدمہ میں فقہ حنفی کی مستند کتب سے حوالے پیش کرتے ہیں۔

عدلیہ کے قاضی ان لوگوں کو نامزد کیا جاتا ہے جو متقی عالم ہوں، فقہ میں خصوصی دسترس رکھتے ہوں، کسی دینی ادارہ میں مفتی یا عالم کے طور پر ایک مخصوص عرصہ تک تدریس، تحقیق یا افتاء کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ہوں۔ منتخب شدہ قاضیوں یا ججوں کو سینئر جج تربیت دیتے ہیں اور پھر ان کی استعداد کے لحاظ سے انہیں مختلف عدالتوں کے مناصب تفویض کرتے ہیں۔

اسی روز شام کو ہماری ملاقات مفتی عبدالحکیم صاحب سے ہوئی جو ایک طرح سے وزیر مہمان داری ہیں اور جن کے ذمہ دیگر امور کے علاوہ مہمانوں کی امیر المؤمنین سے ملاقاتوں کا شیڈول ترتیب دینا بھی ہے، یہ ایک نوجوان عالم ہیں، کراچی کے ایک دارالعلوم سے انہوں نے تخصص کیا ہے۔ پھر ہم طیب آغا سے ملے جو آج کل امیر المؤمنین کے پرسنل سیکریٹری ہیں، یہ غالباً ۲۵ سالہ نوجوان ہیں، انتہائی چاق و چوبند، جمیل اور خلیق۔ ان کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ بھی ایک دینی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہیں، دونوں حضرات خوبصورت اردو میں بات کرتے ہیں۔ پشتو ان کی اپنی زبان ہے۔

مفتی عبدالحکیم نے اگلے روز عصر بعد ہماری امیر المؤمنین ملا عمر سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ نمازِ عصر ملا عمر کی رہائش گاہ کی قریبی مسجد میں ادا کرنے کو کہا گیا، ہم وہاں پہنچائے گئے سیکورٹی چیک

کے بعد مسجد میں ہم نے دوگانہ ادا کیا ہی تھا کہ نماز کے لئے صفیں بننا شروع ہو گئیں، ہم امام کے مصلے کے قریب تھے، امام مصلے پر بڑھا تو ہمارے اردگرد چار پانچ کلاشنکوفوں والوں نے کلاشنکوفیں زمین پر رکھیں اور نماز میں شامل ہو گئے۔

کچھ کچھ اندازہ ہوا کہ ملا عمر آ گئے ہیں۔ نماز سے سلام پھیرا، امام کو دیکھا تو بعینہٖ ملا عمر تھے۔ بعد از نماز سب نے مصافحہ کیا۔ چند منٹ کی ملاقات میں ہر شخص نے اپنی اپنی بات کی، اور پھر دعا پر یہ ملاقات اختتام پذیر ہوئی، اس ملاقات میں ہونے والی گفتگو کی تفصیلات آئندہ کسی مناسب موقع پر بیان کی جائیں گی۔

ملا عمر اور ان کی کابینہ کے تقریباً تمام افراد نوجوان ہیں، ۲۵ سے ۳۵، ۴۰ سال کی عمر کی یہ ٹیم بڑی پرعزم، جواں ہمت اور مجاہدانہ صلاحیتوں کی مالک ہے، ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی محاذ پر شریک جہاد رہا ہے اور کسی نہ کسی جہادی معرکہ کی اس نے قیادت کی ہے۔ ملا عمر خود نوجوان نظر آتے ہیں، ان کی ایک آنکھ ایک معرکہ میں شہید ہو چکی ہے وہ انتہائی باوقار لگ رہے تھے۔ لباس سادہ، کندھے پر چادر، ویسکوٹ کی جیب میں ایک وائرلیس سیٹ اور اندرونی پاکٹ میں غالباً کوئی ہتھیار تھا۔ چہرہ پر فکر، گفتگو میں متانت و سنجیدگی، انہیں دیکھ کر وہ مصرعہ یاد آ رہا تھا۔

نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو

ملا عمر کی سادگی دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے افغانستان کو ''اسلامی امارت افغانستان'' بنا دیا ہے؟ یہ وہی مجاہد ہے جس نے روسیوں سے مقابلہ کے بعد، باقیاتِ روس کے خلاف زوردار جنگ لڑ کر افغانستان کو امن کا گہوارا بنا دیا ہے۔ یہ وہی نوجوان ہے جس سے امریکہ جیسی سپر پاور خوفزدہ ہے؟ یہ وہی مجاہد ہے جس نے اسامہ بن لادن کو پناہ دے کر امریکی پابندیوں کو قبول کر لیا ہے اور دنیا کی واحد سپر پاور کے سامنے سینہ سپر ہے؟

ملا محمد جو امیر المؤمنین کے شعبہ انفارمیشن کے ایک ذمہ دار ہیں، نے ہمیں ملاقات سے قبل جو کچھ ان کی شخصیت کے حوالہ سے بتایا تھا، ہم نے انہیں اس کے عین مطابق پایا۔ ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انتیس (۲۹) صوبوں کا مالک و حکمران ملا عمر نہایت سادہ ہے اور اس میں رعونت و تکبر نام کو نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ فقہ حنفی (اسلام) کے نفاذ کے اثرات و ثمرات ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی کا

فتاویٰ نوازل

از قلم: محمد اعظم سعیدی

فقیہ ابو اللیث سمرقندی المعروف بہ امام الھدیٰ کا نام نامی اسم گرامی نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم ہے، سمرقند، بخارا اور بلخ کے علماء میں رأس العلماء اور سند الفضلاء تھے۔ آپ امام جلیل اور فاضل بے مثیل تھے، علوم متداولہ میں یگانۂ روزگار اور میدان فقہ کے شہسوار تھے، مجتہد فی المسائل ہو کر بھی مقلد امام اعظم تھے، فقہ میں جلیل القدر فقیہ تو حدیث میں وحید العصر محدث تھے، خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ گریہ ہمہ وقت شیوہ تھا اور بغیر اجازت کسی کی زمین سے ڈھیلا تک نہ اٹھاتے، افسوس کہ ایسی نابغۂ روزگار شخصیت کے حالات زندگی کتب تذکرہ میں محفوظ نہ ہو سکے اور حوادثات و مرور زمانہ کی نذر ہو گئے.......... کہ متاع کارواں جاتا رہا۔ اگرچہ امام ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں۔ طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعادۃ میں، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں، قرشی نے جواہر مضیہ میں۔ البغدادی نے ایضاح المکنون میں اور الکتانی نے فہرس الفہارس میں فقیہ ابو اللیث سمرقندی کا ذکر ان کی بعض کتب کے حوالے سے کیا ہے مگر چند ایک سطور سے زیادہ نہیں اسی طرح فتاوی قاضی خاں میں آپ کے فتوے نقل کئے گئے ہیں مگر ابتدائیہ میں آپ کا تذکرہ تک نہیں کیا گیا، غرضیکہ متاخرین نے بھی اسی روایت کا استیعاب کیا ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی کا فقہ میں سلسلۂ تلمذ پانچویں پشت میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے جا ملتا ہے یعنی آپ فقہ میں شاگرد ہیں، امام ابی جعفر ہندوانی کے اور وہ شاگرد ہیں امام ابو القاسم صفار کے اور وہ شاگرد ہیں امام نصیر بن یحییٰ کے اور وہ شاگرد ہیں امام محمد بن سماعہ کے اور وہ شاگرد ہیں امام ابو یوسف کے اور وہ شاگرد ہیں امام الآئمہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے۔ حضرت فقیہ رحمۃ اللہ علیہ زاہد، عابد، متنفل، صاحب کشف و کرامات بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ علم کا کوہ ہمالیہ تھے، آپ بحرِ زہد و عبادت اور بحر قلم و قرطاس کے یکساں غواص تھے یعنی دونوں دریاؤں کا دوآبہ تھے، دل اگر یار کی طرف تھا تو قلم اپنے کار کی طرف تھا، نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں حافظہ بھی کمال کا مرحمت فرمایا تھا،